پاکستانی سیاست کے دونسوانی کردار: خودنوشت کے آئینے میں (بےنظیر بھٹواور عابدہ حسین)

ڈاکٹر لبنیٰ نصیر*

Abstract:

Autobiographies of Urdu Literature were in trend for the long time. Scholers, poets, political leaders, bureaucrats and media persons have published many books. Female politicle leaders have written less autobiographies but their autobiographies are interesting and stunning. Benazir Bhutto and Abida Hussain are too prominent figure of Pakistani politics. They presented experience in politics in different style. In this research article, these atutobiographies show the role of two prominent female figures. These also express their political views.

اردو ادب میں خودنوشتوں کا رواج تو عرصہ سے چلا آ رہا ہے۔ ادیب، شاعر، سیاست دان، نوکرشاہی اور میڈیا کی دنیا سے تعلق رکھنے والوں نے اپنے تجربات کو کتابی شکل دی۔ یوں دنیا کی مختلف زبانوں میں اور اردو میں بے شمار آپ بیتیاں موجود ہیں جو کہ غیر رسمی تاریخ کا کردار بھی ادا کرتی ہیں۔ ہر زمانے میں مختلف پیشوں سے تعلق رکھنے والوں نے زندگی کو دیکھا اور اپنے اپنے تجربے اور نقطۂ نظر کے مطابق لوگوں کے سامنے دل کھول کر رکھ دیا۔ عموماً ادیبوں اور شاعروں کی خودنوشتوں کو لوگ بڑی دلچسپی سے پڑھتے ہیں یا پھر سیاست کی دنیا سے تعلق رکھنے والوں کی خودنوشتیں بھی دلچسپی سے پڑھی جاتی ہیں کیوں کہ وہ بیشتر انکشافات پر مشتمل ہوتی ہیں۔

* شعبۂ اُردو، گورنمنٹ کالج برائے خواتین، لودھراں۔

پاکستانی سیاست اور معاشرت میں نوکرشاہی کے کردار کے بعد سب سے اہم لوگ وہ لوگ ہیں جنھوں نے اس ملک کی باگ ڈور تھامی جن لوگوں نے اندرون و بیرون ملک پاکستان کی نیک نامی، سلامتی اور فارن پالیسی میں اہم کردار ادا کیا۔ ان میں کچھ پاکستانی عوام کے منتخب نمائندے ہیں جو جمہوری عمل کے ذریعے اعلیٰ مقام تک پہنچے اور کچھ عرصہ پہلے سے اعلیٰ عہدوں پر موجود ہوتے ہیں۔ انھیں قدرت نے موقع دیا اور وہ ایوان کے اعلیٰ مسند پر فائز ہوئے۔ ان تمام لوگوں کا اقتدار کے اندر اور باہر کیا حقائق تھے اور ملک کو آگے بڑھانے میں عوام کی خدمت کرنے میں کیا کردار رہا، ایسے تجربوں پر مشتمل پاکستان میں بہت سے سیاست دانوں کی خودنوشتیں ہیں۔

ہمارے یہاں مرد سیاست دانوں کی تو بے شمار خودنوشتیں ہیں لیکن خواتین سیاست دانوں کی خودنوشتوں کی تعداد کم ہونے کے باوجود دلچسپی اور حیرت انگیز انکشافات لیے ہوئے ہوتی ہیں۔ بےنظیر بھٹو اور عابدہ حسین بھی پاکستانی سیاست میں دو اہم کردار ہیں جنھوں نے اپنے اپنے تجربات کو مختلف انداز میں پیش کیا۔ دونوں سیاست دانوں نے انگریزی میں اپنی یادداشتیں لکھیں اور بعد میں ان کے تراجم بھی ہوئے۔ اگرچہ ترجمہ اصل کا متبادل نہیں ہوسکتا پھر بھی پاکستانی عوام کی اکثریت تک ان تجربات کو پہنچا دیتا ہے۔ بےنظیر بھٹو نے "Daughter of The East" کے نام سے لکھی تھی جب کہ عابدہ حسین کی خودنوشت کا عنوان Politics Odyssey: "Power Failure of a Pakistani Women" ہے۔ اس مضمون میں دونوں آپ بیتیوں سے چند اہم اقتباسات کی روشنی میں یہ واضح کرنا مقصود ہے کہ پاکستانی سیاست کے افق پر ان دونوں خواتین کا کیا کردار رہا اور اس سیاست کے بارے میں ان کے نظریات کیا ہیں۔ پاکستانی سیاست اور تاریخ کے بارے میں مرد سیاست دان، صدرِ پاکستان، سابق وزرا اور سپیکرز کے علاوہ اقتدار کے مرکز میں اہم سیاسی کرداروں نے تو اپنے اپنے انداز میں اس مرکز سے دور رہتے ہوئے اپنے تجربات بیان کیے ہیں جب کہ بےنظیر بھٹو نے اپنے والد کی سیاسی پارٹی، دورِ اقتدار سے علیحدگی اور پھانسی کے واقعات کو بہت قریب سے دیکھا جب کہ عابدہ حسین کا معاملہ مختلف ہے۔ سیاسی خانوادہ سے تعلق بھی ہے اور مختلف سیاسی پارٹیوں سے وابستگی بھی ہے، اس لیے یہ نقطہ اہم ہوگا کہ خودنوشت میں وہ کن معاملات کو اہمیت دیتی ہیں اور اپنی ذات و نظریات کا اظہار کس طرح کیا ہے۔

محترمہ بےنظیر بھٹو کا شمار پاکستان کے ذہین ترین سیاست دانوں میں ہوتا ہے۔ اُن کی خودنوشت "Daughter of the East" پہلی بار ۱۹۸۹ء میں منظرِ عام پر آئی جو کہ دنیا کی چند بہترین خودنوشتوں میں سے ایک ہے۔ اس خودنوشت کا اردو زبان میں ترجمہ ''مشرق کی بیٹی'' کے نام سے سجاد بخاری اور اُن کے معاون مترجم کے فرائض سکوارڈن لیڈر (ر) عبدالعلی شوکت نے سرانجام دیے۔ اس کتاب کو مساوات پبلی کیشنز زیرِو

پوائنٹ G-7/1 اسلام آباد نے نومبر ۱۹۹۵ء میں شائع کیا۔ کتاب کے صفحات ۶۲۰ ہیں اور یہ ایک ضخیم کتاب ہے۔ رنگین تصاویر سے مزین کتاب نہ صرف پاکستان کی سیاست بلکہ معاشرت کے حوالے سے بھی ایک بھرپور اور مکمل دستاویز ہے۔ بے نظیر بھٹو کی اس خودنوشت کو اٹلی میں کیمسو ایوارڈ سے نوازا گیا۔ اس عالمی ایوارڈ کے حصول کے لیے بے نظیر اپنی ملکی مصروفیات کی وجہ سے نہ جا سکیں اور انھوں نے اپنی جگہ اپنی والدہ کو اٹلی بھیجا۔ محترمہ نصرت بھٹو کا پرجوش خیر مقدم کیا گیا۔ بڑی تعداد میں اٹلی کے حکام اس ہال میں موجود تھے۔ اس تقریب کی بازگشت پوری دنیا میں سنی گئی۔

''مشرق کی بیٹی'' میں بے نظیر بھٹو نے مختلف واقعات کو دلکش پیرائے میں بیان کیا ہے۔ وہ کتاب کے دیباچے میں رقم طراز ہیں:

> ''یہ میری کہانی ہے۔ وہ واقعات جن کو میں نے دیکھا، محسوس کیا اور جن پر اپنا ردِّ عمل ظاہر کیا۔ یہ پاکستان کے معاشرہ کا گہرائی میں مطالعہ نہیں بلکہ یہ ایک معاشرے کے جمہوریت سے آمریت میں انتقال کے عمل پر ایک طائرانہ نگاہ ہے۔ اسے ہم صدائے حریت بھی کہہ سکتے ہیں۔''(۱)

بے نظیر بھٹو نے پاکستانی سیاست کا نہ صرف بغور مطالعہ کیا تھا بلکہ وہ براہِ راست اس کا حصہ بنیں۔ دو مرتبہ پاکستان کی منتخب وزیر اعظم رہیں۔ سیاست کے اتار چڑھاؤ اور سرد گرمی کو انھوں نے براہِ راست دیکھا اور برتا۔ وہ ایک معزز اور باوقار خاندان سے تعلق رکھتی تھیں اور بہت بچپن میں امریکہ اور بعد ازاں یورپ میں اپنی تعلیم مکمل کرنے کی غرض سے چلی گئیں مگر اس کے باوجود وہ یہاں کی معاشرت سے مکمل طور پر آگاہ تھیں۔ جب ذوالفقار علی بھٹو کا سیاسی قتل ہوا تو اُن کی تدفین کے بعد اُن کی والدہ عدت میں تھیں جب لوگ بیگم بھٹو سے اظہارِ افسوس کرنے کے لیے آنا چاہ رہے تھے تو بیگم بھٹو نے منع کر دیا:

> ''میں عدت میں ہوں اور غیروں سے نہیں مل سکتی۔ تم باہر جا کر بات کرو۔''(۲)

پردے کا جہاں تک مذہب نے حکم دیا ہے وہاں یہ ایک معاشرتی قدر بھی ہے۔ صرف اسلام میں ہی نہیں بلکہ ایشیا بالخصوص ہندوستان کی عورت زمانۂ قدیم سے رسم و رواج کے قید و بند میں جکڑی چلی آ رہی ہے۔ اُس میں جہاں اور بہت سی پابندیاں تھیں وہاں پردہ بھی ہے۔ ہندوستان معاشرے میں بڑے گھروں کی عورتوں کے لیے پردے کی تخصیص ہے۔ اس کو عزت اور وقار کی علامت سمجھا جاتا تھا اور آج بھی سمجھا جاتا ہے۔ یہ صرف مذہبی حکم ہی نہیں بلکہ ایک معاشرتی قدر اور تہذیبی علامت بھی ہے۔ بے نظیر بھٹو لکھتی ہیں:

> ''ہم اس وقت کراچی سے ٹرین میں لاڑکانہ جا رہے تھے جب میری والدہ نے ایک سیاہ رنگ کا کپڑا اپنے تھیلے سے نکالا اور مجھے اس میں لپیٹ دیا: ''اب تم بچی نہیں ہو''

انھوں نے تاسفانہ انداز میں کہا۔قدامت پسند جاگیردار گھرانوں کی بیٹیوں کو اس رسمِ قدیم سے واسطہ پڑتا تھا۔"(۳)

دُرِثمین نقوی کہتی ہیں:

"محترمہ بےنظیر بھٹو کی سوانح حیات "دختر مشرق" پڑھ کر ان کے سچا پاکستانی ہونے اور ملک وقوم سے ان کی محبت اور ان کے بارے میں تشویش کا صحیح پتا چلتا ہے۔ظلم و جبر کے خلاف جنگ لڑنے کے دوران وہ جہاں جہاں بھی رہیں ان کا دل عوام کے لیے پریشان رہا ہے۔دکھ درد،غم و آلام اور مصائب کے اس تمام سفر کو انھوں نے اپنی خودنوشت میں جس طرح بیان کیا ہے وہ بڑے بڑے دلوں کو دہلا کر رکھ دیتا ہے۔"(۴)

بےنظیر بھٹو سندھ کے اندر موجود قدیم جرگہ سسٹم اور قبائلیوں کی عدالتوں کے حوالے سے بھی اپنا تجربہ بیان کرتی ہیں۔قبائلی زندگیوں کے اندر عورت کو گائے،بھینس اور زمین کے ٹکڑوں کی طرح اپنی ذاتی جائیداد سمجھا جاتا ہے۔عورتوں کی تقسیم اور خرید و فروخت بھی گائے،بھینس اور بکریوں کی طرح کی جاتی ہے۔اگر کوئی شخص کسی کو قتل کر دیتا ہے تو قاتل کی بیٹی یا بہن قصاص یا دیت کے طور پر مقتول کے رشتہ داروں کو دے کر اُس کا حساب کتاب چکایا جاتا ہے۔مقامی زبان میں اس رسم کا نام "ونی" ہے جو کہ فی زمانہ ایک انٹرنیشنل اصطلاح بن چکی ہے۔"ونی" کی رسم کے حوالے سے بےنظیر ایک واقعہ کا ذکر کچھ اس طرح کرتی ہیں:

"اس کے چچا زاد نے ۴۰ سال قبل میرے بیٹے کو قتل کر دیا تھا۔"ایک بے دانت بوڑھے آدمی نے ایک صبح میرے سامنے دلائل دیتے ہوئے کہا۔جب میں رسی کی چارپائی پر عدالت سجائے بیٹھی تھی۔تمہارے تایا کا اُس وقت فیصلہ تھا کہ اسی خاندان میں پیدا شدہ پہلی بیٹی سے میری شادی ہوگی۔اور یہی دیکھو وہ لڑکی ہے(اشارہ کرتے ہوئے)مگر وہ آدمی اب مجھے اس کو دینے کے لیے تیار نہیں۔"(۵)

قبائلی معاشرت، جرگہ سسٹم کے علاوہ انھوں نے قبائلیوں کے رسم و رواج کا بھی ذکر کیا ہے۔وہ تمام واقعات جو اُن کے ساتھ پیش آئے۔نہ صرف اپنے حافظے کی بنیاد پر وہ انھیں ضابطۂ تحریر میں لاتی ہیں بلکہ وہ اپنی گہری دانش،غور و فکر کی صلاحیت اور تدبر کے ساتھ چیزوں کو محسوس کرتی ہیں۔ہر علاقے کے اپنے کچھ رسم و رواج اور اعتقادات ہوتے ہیں۔سندھی صوبہ بالخصوص ضعیف الاعتقادی کے حوالے سے مشہور ہے۔محترمہ بےنظیر بھٹو ہاورڈ اور آکسفورڈ کی تعلیم یافتہ ہونے کے باوجود قبائلیوں کی اس ضعیف الاعتقادی سے نفرت نہیں کرتیں بلکہ وہ اپنی معاشرت کے ساتھ گہری وابستگی اور لگاؤ کا اظہار کرتی ہیں۔ستمبر ۱۹۸۸ء جب وہ اپنے پہلے بچے کی ماں بننے والی

تھیں ایک واقعہ لکھتی ہیں:

> ''کئی سال قبل اپنی کزن فخری کے گھر پر قرآن خوانی کے بعد مجھے محسوس ہوا کہ میرے سر پر کچھ چھڑکا گیا تھا۔ ''یہ کیا ہے'' میں نے اپنا چہرہ پونچھتے ہوئے پوچھا۔ ''مبارک ہو'' عورتیں چلائیں۔ ''تم بیٹے کی ماں بنوگی۔''
> ''تمھیں کیسے خبر ہے؟'' میں نے پوچھا
> ''ہم نے پیچھے سے تمھارے سر پر نمک چھڑکا تھا'' انھوں نے مجھے بتایا۔
> تم نے اپنا ہاتھ ہونٹوں پر رکھا جس کا مطلب مونچھیں اور لڑکا ہے۔ اگر تم نے اپنی آنکھوں اور پیشانی کو چھوا ہوتا تو اس کا مطلب لڑکی ہوتا۔'' (۶)

بے نظیر بھٹو نے اپنی خاندانی روایت کو پیش نظر رکھتے ہوئے ہمیشہ ملک میں جمہوریت کو مضبوط کیا۔ یہ اُن کی وطن سے محبت ہی تھی جس کے لیے انھوں نے شبانہ روز محنتِ شاقہ کی۔ اُن کے نزدیک جمہوریت کسی بھی ریاست کو مضبوط کرنے کا ایک اہم ترین ذریعہ ہے۔ اور جو لوگ جمہوریت کو کمزور کرنے یا ختم کرنے کی کوشش کرتے ہیں ایسے لوگ بیرونی ایجنڈے پر ہی عمل پیرا ہوتے ہیں۔ کیوں کہ آمریت کی گود میں پلنے والی جماعتوں اور لوگوں نے اپنے آقاؤں کے اشارۂ ابرو پر جمہوریت کو آمریت کی گود میں دے دیا۔ حقیقی سیاسی جماعت وہی کہلائی جا سکتی ہے کہ آمریت میں بھی اپنے مؤقف اور مشن پر کوہِ ہمالیہ کی طرح ڈٹ گئے۔ مصائب کا مقابلہ سینہ تان کر کرے۔ یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ سیاسی جماعتیں جمہوریت کے دور میں سانس لیتی اور پروان چڑھتی ہیں۔ اس لیے اس ملک کا مقدر آمریت نہیں بلکہ جمہوریت ہے۔ بے نظیر کا کہنا ہے:

> ''جس طرح صحرا میں پھول نہیں کھل سکتے، اسی طرح سیاسی جماعتیں آمریت میں بھی پھل پھول نہیں سکتیں...... اپنے خلاف خونخوار اقدامات کے باوجود سیاسی جماعتیں اگر آمریت کے گیارہ سالوں میں زندہ رہ سکیں اور پنپ سکیں تو یہ ان لوگوں کے لیے خراجِ عقیدت ہے جنھوں نے جمہوریت کی خاطر اپنی جانوں کا نذرانہ دیا اور پاکستان کے عوام کے لیے بھی جو سمجھتے تھے کہ ان کے حقوق کی بحالی اور حفاظت تبھی ممکن ہے اگر وہ ایک قومی جماعت میں مدغم ہو جائیں۔ ہم ملک کا ضمیر، مستقبل اور امید تھے اور ہیں۔'' (۷)

بے نظیر بھٹو کی خودنوشت مجموعی طور پر سیاسی ہے۔ اس میں نہ صرف پاکستان کی سیاست کے مکمل خدو خال، داؤ پیچ اور نشیب و فراز ہیں بلکہ بین الاقوامی سیاست کے تمام رموز و علائم بھی اس میں موجود ہیں۔ بے نظیر نے چونکہ ایشیا اور یورپ ہر دو کی معاشرت اور سیاست کا بغور مطالعہ کیا تھا اور عالمی سیاسی مسائل و معاملات پر بھی گہری نظر

رکھتی تھیں۔ اس لیے اس تجربے کو انھوں نے اپنی اس سوانح میں بھی سمویا ہے۔ انھوں نے دو مکمل فوجی حکومتوں کی آمریت اور جبر و تشدد کا دور دیکھا اور نہایت کم عمری میں ضیاء الحق کے آمرانہ دور کے تشدد کا نشانہ بنیں۔ انھوں نے نہایت پختہ کاری اور بالغ فکری کے ساتھ پاکستان کی سیاسی صورتِ حال کا ایک مکمل تجزیہ اپنی خودنوشت میں پیش کر دیا ہے۔

عابدہ حسین کی پیدائش کے بارے میں اگر یہ کہا جائے کہ وہ پاکستانی سیاست میں بےنظیر بھٹو کے بعد نمایاں ترین خاتون سیاست دان ہیں تو اس میں کوئی مبالغہ نہ ہوگا۔ ان کی شناخت صرف سیاست ہی نہیں بلکہ وہ سفارت کے میدان میں بھی اپنا لوہا منوا چکی ہیں۔ اس بات میں کوئی شک نہیں کہ جس طبقے سے عابدہ حسین کا تعلق ہے وہاں صنفی پابندیاں کوئی معنی نہیں رکھتیں لیکن سونے کا چمچ منہ میں لے کر پیدا ہونے والے لوگ رہتے تو اسی سماج میں ہیں۔

سیاست عابدہ حسین کے لیے اجنبی نہیں تھی۔ ان کے والد سید عابد حسین ۱۹۴۶ء کے دستور ساز اسمبلی کے کم عمر ترین رکن تھے۔ ان کے شوہر فخر امام بھی معروف سیاست دان ہیں اور پاکستان کی قومی اسمبلی کے سپیکر بھی رہ چکے ہیں۔

عابدہ حسین کا سیاسی سفر کوئی سیدھی لکیر نہیں۔ انھوں نے گذشتہ صدی کی آخری دہائیوں میں پاکستان کے سیاسی جوار بھاٹے میں بڑی سرگرم زندگی بسر کی۔ پیپلز پارٹی سے شروع ہونے والے ان کا سیاسی سفر ہنوز جاری و ساری ہے۔ وہ پیپلز پارٹی چھوڑ کر پارٹی کے بدترین مخالفین ضیاء الحق اور نواز شریف کے ساتھ بھی کام کر چکی ہیں۔ ۲۰۰۶ء سے وہ دوبارہ پیپلز پارٹی سے وابستہ ہیں۔ پاکستان میں سیاست دانوں کی جانب سے اپنے سیاسی تجربات کو کتابی شکل میں آنے والے دور کے لیے محفوظ بنا دینے کا رجحان پیدا ہو رہا ہے۔ یہ نہایت عمدہ بات ہے۔ کسی زمانے میں کتاب لکھنے کے لیے سیاست دان جیل جانے کا انتظار کیا کرتے تھے لیکن شکر ہے اب وہ یہ کام جیل جائے بنا ہی کرنے لگے ہیں (۸)۔

Power Failure: Politics Odyssey of a Pakistani "Women" نامی کتاب میں عابدہ حسین نے اپنے سیاسی سفر کی روداد بیان کی ہے۔ یہ کتاب ۲۰۱۴ء میں آکسفرڈ یونیورسٹی پریس کے اہتمام سے شائع ہوئی ہے۔ یہ کتاب سولہ ابواب پر مشتمل ہیں۔ مثلاً: پرویز مشرف کی جانب سے مارشل لا لگانا، نواب اکبر خان بگٹی اور محترمہ بےنظیر بھٹو کی شہادت۔ اس کے علاوہ عابدہ حسین کی بلدیاتی سیاست، قومی اسمبلی تک ان کی رسائی، محترمہ بےنظیر کے وزیراعظم بننے کے بارے میں ابواب بھی شامل ہیں۔ امریکا میں

بطور سفیر تعیناتی، واشنگٹن میں گزرے ان کے شب و روز اور امریکا میں صدارتی انتخابات کے بارے میں بھی ابواب موجود ہیں۔

اس کتاب میں بالعموم ان سیاسی واقعات کا احاطہ کیا گیا ہے جن کا عابدہ حسین خود ایک کردار رہی ہیں۔ اس کے علاوہ انھوں نے ان مواقع کا بھی ذکر کیا ہے جو انھوں نے کھو دیے۔ عابدہ حسین کی زبانی ہمیں پردے کے پیچھے ہونے والے بہت سے واقعات کی اصل حقیقت نظر آتی ہے۔ عابدہ حسین کا تعلق پاکستان کے جس علاقے سے ہے وہ کوئی آسان علاقہ نہیں۔ سماجی و سیاسی پسماندگی کا مارا ہوا جنوبی پنجاب کا علاقہ جھنگ گذشتہ کئی دہائیوں سے مذہبی شدت پسندی کے عفریت کا سامنا کر رہا ہے۔ عموماً یہاں عورتوں کے لیے گھر سے نکلنا ہی آسان نہیں کجا یہ کہ وہ سیاست میں حصہ لیں۔ عابدہ حسین کی تمام سیاسی و سفارتی کامیابیاں ایک جانب اور اس علاقے کی خواتین کے لیے ایک نمونہ بن کر عملاً کامیاب سیاست دان بننا الگ بات!

عابدہ حسین لکھتی ہیں:

> "Writing 'Power Failure' was an exciting experience and the initial response to it has been heart warming. I feel my life has always been inextricably linked with that of my country and I wouldn't have liked it any other way. I hope the young will read my book and savour it." (۹)

عابدہ حسین نے اس کتاب کی بنیاد اپنی یادداشت کے لیے لکھے گئے نوٹس اور ذاتی ڈائریوں پر رکھی ہے۔ انھوں نے اس کتاب میں سیاسی واقعات اور اس کے نتیجے میں ملک پر پڑنے والے اثرات کے بارے میں اپنے خیالات کا بھی کھل کر اظہار کیا ہے۔ سیاسی سفر کے علاوہ عابدہ نے اپنے بچپن کے بارے میں بھی بتایا۔ سیاست میں ان کے آنے کی روداد اور بطور خاتون سیاست دان خود کو درپیش مشکلات کے بارے میں بھی انھوں نے کھل کر بات کی۔ عابدہ حسین نے پنجاب کی دیہاتی زندگی میں مردوں کی برتری کے حوالے سے بھی اظہارِ خیال کیا۔

عابدہ حسین نے ملک کی اندرونی سیاست کے ساتھ ساتھ خارجہ امور کے بارے میں بھی بات کی۔ افغانستان کے معاملے میں پاکستان کی اتنی زیادہ دل چسپی اور اس کے نتائج کے بارے میں عابدہ کا نقطۂ نظر قابل توجہ ہے۔ انھوں نے ملک میں پھیلی غربت، کرپشن، مقامی اور عالمی سازشوں کا ذکر بھی کافی دلچسپ انداز میں کیا ہے۔ عابدہ حسین نے سیاست کے میدان میں اپنے اور اپنے خاندان کو درپیش خطرات کے بارے میں بھی بات کی ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ پاکستان جیسے ملک میں ایسا ہونا کوئی اچنبھے کی بات نہیں۔

سیدہ عابدہ حسین ۱۹۷۲ء میں جب پہلی بار ممبر صوبائی اسمبلی پنجاب منتخب ہوئیں تو جھنگ میں لوگوں کی خوشی اور مسرت دیدنی تھی۔اس کی تصویر کشی اس طرح کرتی ہیں:

> "In February of 1972, I took oath as Member Provincial Assembly (MPA) of Punjab, and felt somewhat vindicated when people came from Jhang to say to me that they were glad that the light of my father's home would keep glowing and its doors would remain open. I realised that not only would my father's path be a hard one to follow, many censorious eyes would also monitor every move I made."(۱۰)

عابدہ حسین نے خود کو جس طرح سیاست، زراعت اور سفارت کے میدان میں منوایا ہے اس سے ثابت ہوتا ہے کہ وہ بیک وقت کئی کام یکساں مہارت سے سرانجام دے سکتی ہیں۔نواز شریف نے جب دیکھا کہ جنوبی پنجاب کے ایک پسماندہ علاقے سے تعلق رکھنے والی خاتون سیاست میں نام کما رہی ہے تو انھوں نے عابدہ حسین کو مشورہ دیا کہ اپنے علاقے میں کوئی شوگر مل لگاؤ۔عابدہ حسین نے اس واقعہ کو اس طرح بیان کیا ہے:

> "Nawaz Sharif asked me why I did not put up a sugar mill in this area. I answered that my late father had advised that were I to pursue politics, it would be prudent not [to] attempt business ventures, as these could lead me into a conflict of interest, as a representative of the people."(۱۱)

عابدہ حسین نے اپنے والد سید عابد حسین کی روایت کو اپنے لیے متاثر کن اور ایک ذمہ داری قرار دیا ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ لوگوں کا خیال ہے کہ جھنگ جیسے علاقے میں سید عابد حسین کی روشن کی ہوئی شمع روشنی بانٹتی رہے گی اور ان کے گھر کے دروازے عام لوگوں کے لیے کھلے رہیں گے۔اُن کی بیٹی نے اپنے والد کے نقش قدم پر چل کر پاکستانی سیاست کو ایک وقار اور معیار دیا ہے۔اور اُن کی آپ بیتی اس تناظر میں ایک اہم کردار ادا کرتی ہے۔

عابدہ حسین کی آپ بیتی میں قارئین کو پاکستان کے سیاسی کلچر پورے آب وتاب کے ساتھ جلوہ ریز دکھائی دیتا ہے۔جس میں انھوں نے جھنگ کے کلچر کا ذکر بڑے فخریہ انداز میں پیش کیا ہے۔جھنگ کی رسمیں، شخصیات کا ذکر بڑے منفرد انداز میں کیا ہے۔لیکن سائنس دان ڈاکٹر عبدالسلام کا ذکر کرنا بھول گئی ہیں۔ڈاکٹر عبدالسلام (جو مذہبی بیانیے میں متنازعہ رہے ہیں) نے سائنس کے میدان میں پاکستان کا نام روشن کیا ہے۔

ڈاکٹر پرویز پروازی کہتے ہیں:

''بیگم عابدہ حسین کی یہ خودنوشت پاکستان کے سیاسی کلچر کی حقیقی اور منہ بولتی تصویر ہے۔خود عابدہ حسین نے جھنگ کے کلچر کا بڑا چرچا کیا ہے مگر جھنگ نامور سپوتوں میں اور سب نام گنوا گئی ہیں پروفیسر عبدالسلام کا نام انھیں بھی بھول گیا ہے۔'' (۱۲)

بے نظیر بھٹو اور عابدہ حسین کی آپ بیتیوں کے مطالعے سے یہ مترشح ہوتا ہے کہ ان سیاسی تاریخ کے ان دو نسوانی کرداروں نے سیاست کے میدانِ کارزار میں اپنے اپنے انداز سے اپنا کردار ادا کیا ہے۔اس حوالے سے دیکھا جائے تو بے نظیر بھٹو نے ایک وسیع تناظر میں ملکی سیاست میں بھرپور کردار ادا کیا۔وہ دومرتبہ وزارتِ عظمیٰ کے عہدے بھی پر متمکن رہیں۔انھوں نے اپنے والد سے سیاست کے اسرار ورموز سیکھے، مختلف ملکی مذاکرات میں بھی اُن کے ساتھ رہیں۔خاندانی روایات کا پاس رکھتے ہوئے ملک کے لیے بہت سی خدمات انجام دیں۔انھوں نے اس ملک کے لیے اپنے خاندان کے اہم ترین افراد کی قربانی دے دی۔والد، دو بھائی اور آخر میں خود اس ملک کے لیے قربان ہوگئیں۔

بے نظیر بھٹو کی نسبت عابدہ حسین کو بہت کم مواقع ملے۔اس کی مختلف وجوہات ہوسکتی ہیں: مثلاً نہ وہ اس اعلیٰ عہدے پر پہنچیں جس پر بے نظیر رہیں؛ خاندانی پس منظر اُس معیار کا نہیں تھا جس طرح بے نظیر بھٹو کا تھا۔عابدہ حسین کے والد کرنل سید عابد حسین قیامِ پاکستان سے قبل مسلم لیگ کی جانب سے ہندوستان کی کی دستور ساز اسمبلی کے رکن منتخب ہوئے تھے اور قیامِ پاکستان کے وقت پاکستان کی پہلی دستور ساز اسمبلی کے رکن رہے۔جبکہ بے نظیر بھٹو کے والد ذوالفقار علی بھٹو تمام عمر پاکستان کے اہم ترین عہدوں پر متمکن رہے۔اقوامِ متحدہ میں اُن کی آتش بیانی کے چرچے آج بھی زبانِ زدِ عام ہیں۔او آئی سی کانفرنس کا سہرا بھی بھٹو کو ہی جاتا ہے۔لیکن عابدہ حسین کے والد صرف دستور ساز اسمبلی کے رکن ہی رہے، اُس سے آگے نہ بڑھ سکے۔ ایسی اور اسی قسم کی دیگر وجوہات کی بنا پر عابدہ حسین کا شمار بے نظیر کی نسبت پاکستانی سیاست میں ثانوی کردار کی حیثیت کا حامل ہے۔

لیکن اس کے باوجود ان کی آپ بیتی کے مطالعے سے یہ واضح ہوتا ہے کہ انھوں نے نہایت دل جمعی اور خلوصِ نیت کے ساتھ آپ بیتی کے اسرار ورموز کو پیشِ نظر رکھ کر ایسی آپ بیتی قارئین کے سامنے رکھ دی ہے جس میں پاکستانی سیاست (بالعموم) اور پنجاب کی سیاست (بالخصوص) کی ایک معتبر تاریخ مرتب ہوگئی ہے۔اس آپ بیتی میں کہیں کہیں تانیثی نقطہ نظر کو بھی ملحوظِ خاطر رکھا گیا ہے اور پاکستانی عورت کو اپنے حقوق کے لیے ڈٹ جانے کی تلقین بھی کی گئی ہے۔عابدہ حسین نے اس آپ بیتی کے ذریعے پاکستانی عورت کے دکھ درد کی نشاندہی کر کے ان کا مداوا کرنے کی ایک واضح راہ دکھا دی ہے۔

حوالہ جات

۱۔ بےنظیر بھٹو، ''مشرق کی بیٹی''، اسلام آباد، مساوات پبلی کیشنز، ۱۹۹۵ء، ص۱۰

۲۔ ایضاً، ص۱۱

۳۔ ایضاً، ص۶۲

۴۔ درِثمین نقوی، ''دخترِ پاکستان بےنظیر بھٹو''، ملتان، سندباد پبلشرز، اگست ۱۹۹۴ء، ص۲۱۲

۵۔ ایضاً، ص۲۷۰

۶۔ ایضاً، ص۲۰۶

۷۔ بےنظیر بھٹو، ''مشرق کی بیٹی''، ص۵۹۲

۸۔ جیل کے دوران لکھی جانے والی خودنوشتوں میں مخدوم جاوید ہاشمی کی ''ہاں میں باغی ہوں!'' اور سید یوسف رضا گیلانی کی ''چاہِ یوسف سے صدا'' شامل ہیں۔ جنھوں نے جیل میں بیٹھ کر پاکستان کی سیاست و معاشرت کی عکاسی کی ہے اور اپنے دل کے نہاں خانوں کو یادوں سے مزین کیا ہے۔

9- Syeda Abida Hussain, "POWER FAILURE: Tthe Political Odyssey of a Pakistani Women", Oxford University Press, 2014, P. 9

10- Syed Abida Hussain, P. 145

11- -do-

۱۲۔ پرویز پروازی، ڈاکٹر، ''سیدہ عابدہ حسین کی خودنوشت''، آن لائن جریدہ ''نیا زمانہ''، لاہور، ۱۷/اگست ۲۰۱۵ء